اس سلسلے میں ایک اور دلیل پر بحث کی جاتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی جس میں منافقوں کے ساتھ بعض مومنوں نے بھی یقین کر لیا تھا۔ یہ تہمت آپ کے لئے اب تک کی تمام تکالیف میں سب سے بڑی تھی۔ بہت دنوں تک وحی کا نزول بند رہا۔ پھر حضرت عائشہؓ کی برأت میں سورۃ بیانات نازل ہوئی۔ اگر نزول وحی میں حضور کی ذاتی استعداد کو دخل ہوتا تو اس بڑی مصیبت میں وحی ہرگز اتنے روز بند نہ ہوتی۔ چنانچہ بہت پہلے ہی کوئی ایک آیت بنا کر (نعوذ باللہ) اپنے دل کو سکون بخشتے اور منافقوں کی زبان پر قفل لگا دیتے۔

یہ سچ ہے کہ قرآن ایک آسمانی کتاب ہے جو اللہ نے ایک مخصوص طریقہ سے اپنے رسول کو املا کی۔ دنیا کے تمام دانشوران محمد صلعم جیسا کوئی دوسرا انسان پیدا نہ کر سکے اور نہ پیدا کر سکتے ہیں۔ تو کیا ان کی یہ بے بسی اس دعوے کے لئے کافی نہیں؟ اس وحی کو جھٹلانے کے لئے مشرکین ومنکرین نے جو کچھ بھی کہا ہے ان میں سے بعض خود تاریخ پر تہمت ہے اور بقیہ باطل ہے۔ آج صدیاں گذر جانے کے بعد کسی یقینی دلیل سے اس کی بنائی ہوئی کسی خبر کی تردید وتکذیب نہیں ہو سکی مثلاً قرآن نے کائنات کے مادّے کو دخان کہا ہے جو سائنس کی اصطلاح میں ابتہد ہے اور فرمایا کہ آسمان وزمین دونوں رتقاً تھے یعنی ایک ہی مادہ تھے جو باہم پیوست ومتصل تھا پھر خدا نے ہر ایک کو جدا جدا صورت دیدی اور ان میں جاندار پھیلا دیئے اور فرمایا کہ خدا نے ہر زندہ جسم کو پانی سے بنایا ہے اور یہ کہ خدا نے تمام نباتات وحیوانات کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔[1]

---

۱۔ وحی محمدی رشید رضا ص ۶۵۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں قرآن پاک سے دی جا سکتی ہیں۔ قرآن نے انسانی زندگی کے لئے مخصوص قانون بھی بنا دیئے ہیں۔ قرآن میں عقائد، اخلاق اور ان کی بجا آوری کا قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے اس میں صرف اخلاق انسانی کی بھلائی کے لئے بہترین رہنمائی موجود نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف، انتظامی معاملات اور مالیات کے بارے میں قوانین موجود ہیں اور جس کی بنیاد خدمتِ خلق اور خدائے واحد کے یقین پر قائم کی گئی ہے۔

ہمارا ایمان ہونا چاہیئے بلکہ ہے کہ قرآن کتاب اللہ ہے، کلام اللہ ہے۔ یہ انسانی پیداوار نہیں، یہی تو کتاب ہے جس میں تمام بنو نوع کی رشد و ہدایت ہے۔ اس میں وہی حقائق بیان کئے گئے ہیں جن کے مصدقات فطرت انسانی میں موجود ہیں۔ قرآن کی پیش کردہ مساوات اور اخوت کسی ملک و قوم یا کسی رنگ و نسب کو نہیں دیکھتی۔ آج دنیا میں صرف قرآن ہی ایک ایسی مذہبی کتاب ہے کہ وہ جس طرح جس زبان میں نازل ہوئی اسی میں محفوظ ہے۔ اس حیثیت کی کوئی کتاب آج دنیا میں موجود نہیں۔

اگر کسی کتاب کی قیمت کا اندازہ اس کے نتائج سے لگایا جا سکتا ہے یعنی اس بات سے کہ آدمی کے سوجھاؤ کے گہرے سے گہرے اور اچھے سے اچھے پہلوؤں پر کیا اثر پڑا تو ضروری ہے کہ قرآن کو دنیا کی عظیم سے عظیم کتب میں ایک منفرد درجہ دیا جائے [1]

فرانسیسی دانشوروں کے قرآن کے بارے میں الفاظ ہیں:

"It is therefore the most Arabic prose work one that

---

۱- سندرلال گپتا، گیتا اور قرآن۔ ۱۸۱-۱۸۲-

raised the idiom of that being to the eight of a civilized - while at the same time its declamatory style provides a rhythm and an inspiration for the whole of Moslem life".

آرتھر جیفری لکھتے ہیں:

"The scripture of nother community, not even the old testament among the Jews, has had quite the same influence on the life of the comm ty as the Quran has had in Islam." ۲

اس طرح اہل اسلام کے ساتھ ساتھ بعض غیر قوم کے دانشوروں نے قرآن کو دوسری کتب آسمانی سے بڑا مانا ہے اور بالفاظ دیگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن آسمانی کتاب ہے مگر پھر بھی لوگ اس

---

Dominique Sowdel Translated by -۱ Dunglass cutt - Islam.

The Quran as scripture. Arthur Jeffery -۲

اس حقیقت کو جھٹلانے میں عار نہیں سمجھتے۔ حضورؐ کے زمانے میں اور آپ کے فوراً بعد بہت سے لوگوں نے قرآن کو جھٹلایا جن میں مسلیمہ اور متنبی وغیرہ کا نام مشہور ہے۔ ان لوگوں نے اپنی شاعری کے مجموعہ کو قرآن کا مثل بنا کر پیش کیا لیکن زمانے نے اس کو قبول نہیں کیا۔ صرف انھیں پر کیا موقوف ہے شیطان نے تو قیامت تک اللہ سے مہلت مانگ رکھی ہے۔ ہر دور میں ایسے ولید اور مسلیمہ پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن کو اکتسابی ہنر بتا کر خود اس کے مدعی بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ وحی نہ تو کسب و ہنر سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی انسانی قوت و فکر سے۔ یہ تو خالص وحی اور منزل من اللہ ہے۔ اللہ پاک خود فرماتا ہے:

یا ایہا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ[1]

---

۱۔ النساء۔ آیت ۱۳۶۔

# جامع مسجد رام پور

جناب محمد شعائر اللہ خاں صاحب، انگوری باغ رام پور

رام پور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم

غالب

شہر مصطفےٰ آباد جو ریاست رام پور کے نام سے جانا جاتا ہے ہمیشہ سے مرکز علم و فن اور گہوارۂ تہذیب رہا ہے۔ اس چھوٹے سے شہر کو اگر آپ ہندوستان کے نقشہ پر دیکھنے کا ارادہ کریں تو کافی جستجو اور تلاش کے بعد چند نقطوں سے زیادہ طول و عرض نہ دیکھ پائیں گے۔ پھر اس کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں ہے ۱۱۸۸ھ میں نواب فیض اللہ خاں صاحب نے اس کو پایۂ تخت قرار دے کر باقاعدہ آباد کیا تھا اس حساب سے اس کی عمر صرف دو سو نو سال کی ہے لیکن اتنے قلیل عرصہ میں اس مختصر سی آبادی نے اپنا نام عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا ہے اور محتاج تعارف نہیں رہی۔ جس کی پہلی وجہ تو خدائے برتر کا کرم اور علمائے کرام و خاصانِ خدا کا وجود مسعود ہے اور دوسری وجہ تعلیم دین اور شعائر اسلام سے دلچسپی و رغبت کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اہل علم نے اپنی زبان و قلم سے کبھی اس خطۂ رام پور کو

دو ملتی نہیں کیا ماضی قریب میں بھی اور ماضی بعید میں بھی۔

اسی سلسلے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ صفحات اوراق پر ان منتشر حالات و واقعات کو یکجا کر دیا جائے جن کا تعلق اسلام کی اس عمارت سے ہے جو ہر مسلم آبادی کے لئے ضروری ہے اور جسے مسجد جامع کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس عنوان پر اب تک باقاعدہ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ حالات رام پور کے تحت ذیلی طور سے بہت مختصر تعارف کرایا گیا ہے اسی لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ مفصل طور سے اس پر لکھا جائے چنانچہ اب تک کی حاصل شدہ معلومات کو سپرد قلم کر رہا ہوں۔

جامع مسجد رام پور کی بنیاد عہد فیض اللہ خانی سے مانی گئی ہے جس کو اکثر مصنفوں نے تسلیم کیا ہے لیکن کسی نے تاریخ کا تعین نہیں کیا ہے۔ نجم الغنی خاں (م ۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں:

> "نواب (فیض اللہ خاں) صاحب کے عہد میں مسجدیں بکثرت تعمیر ہوئیں جامع مسجد قدیم انھیں کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔[۱۸]"

امیر مینائی (م ۱۹۰۰ء) بھی اسی طرح کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "عہد دولت میں مسجدیں بکثرت تعمیر ہوئیں اور ایک مسجد ایسی عالی شان بنی کہ اس سرزمین پر بے نظیر ہے حسن نیت سراپا برکت ہے آج تک دن رات مصلیوں کی جماعت سے رونق پذیر ہے"[۱۹]

تاریخ کے تعین کے سلسلے میں پہلی بار کلب علی خاں فائق رام پوری نے اپنے مضمون مدرسہ عالیہ رام پور میں یہ انکشاف کیا ہے کہ "میرے مرحوم چچا احمد رضا خاں (ولادت ۱۸۸۱ء وفات ۱۹۷۲ء) نے بتایا کہ جامع مسجد فیض اللہ خانی کے دروازہ کی محراب پر سنہ تعمیر کندہ تھا۔

## یک مسجد فیض کعبۂ نو ۴ ؎

۱۱۸۰ھ

ہجری سال ۱۱۸۰ کا عیسوی ۱۷۶۶ برآمد ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رام پور کے پایۂ تخت قرار پانے سے پہلے اس کی تعمیر ہوئی۔ اس کا مزید ثبوت جسٹس مرشاد اشیر خاں (م ۱۹۷۹ء) کی تحریر سے بھی ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> نواب فیض اللہ خاں صاحب مع مولوی (غلام جیلانی خاں) صاحب اور دیگر پٹھانوں کے سرداروں کے ساتھ رام پور آئے تو انھوں نے رام پور شہر میں ایک مسجد تعمیر کرائی ۵؎

فیض اللہ خاں کے رام پور آنے سے مراد وہ وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ اور ان کے بھائی عبداللہ خاں احمد شاہ ابدالی کی قید سے اپنے والد علی محمد خاں کے انتقال سے تین سال بعد ۱۷۵۲ء میں رام پور آئے تھے اور یہ مسجد انھوں نے وُرودِ رام پور کے دس پندرہ سال بعد بنائی ہو۔ اس طرح سال ۱۱۸۰ھ کی صحت پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

اس مسجد کی بنیاد ہمیشہ علماء و صوفیاء کے ہاتھ سے رکھی جاتی رہی ہے چنانچہ فیض اللہ خانی مسجد کی بنیاد کے سلسلے میں ایک واقعہ کی کتاب حالات ... مولوی غلام جیلانی خاں مصنفہ جسٹس ارشاد اللہ خاں میں ملتا ہے۔ ؎

اس کے علاوہ اس مسجد کی بنیاد رکھنے والوں میں حافظ سید محمد ایوب صاحب بھی تھے جو قادریہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۶؎

بہرحال یہ خوبصورت جامع مسجد ۱۱۸۰ھ میں تیار ہوئی جو اس وقت کی آبادی اور شاندار رہائشی عمارتوں کے لحاظ سے یقیناً بے مثل رہی ہو گی۔

منشی امیر اللہ تسلیم (م ۱۹۱۱ء) اس کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اسی عہد دولت میں شام و سحر
بنیں مسجدیں جا بجا بیشتر
خصوص ایک مسجد ہے وہ دل پذیر
نہیں جس کا ہندوستاں میں نظیر [7]

لیکن جب آبادی میں اضافہ ہوا اور رہائشی عمارتوں نے شان و شوکت اختیار کی تو خدائے برتر کی عبادت کے گھر کی توسیع اور تعمیر جدید کی بھی ضرورت پیش آئی چنانچہ جامع مسجد کو وسیع کرنے کے لئے برابر کی جگہ حاصل کی گئی اور اس جگہ پر ایک خوشنما دالان کے پانچ دروازوں والی لاثانی عمارت تعمیر کی گئی جس پر تین گنبد اور چار مینار تعمیر کئے گئے جن پر کلس ہائے ملمع طلائی نصب کئے گئے اس طرح یہ مسجد الگ مکمل حیثیت کی مالک ہو گئی اور جامع مسجد کہلائی۔ کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) نے قدیم جامع مسجد کے برج گرا دیئے اور وہ اس کی بغل میں سما گئی۔" [8]

اس نو تعمیر کے بارے میں نجم الغنی خاں صاحب رقم طراز ہیں کہ

"(کلب علی خاں) نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی ۲۲ر شعبان ۱۲۹۱ھ مطابق ۴ر اکتوبر ۱۸۷۴ء کو علماء و فضلاء اور اولیائے شہر کے ہاتھ سے اس کی بنیاد کی اینٹ رکھوائی اور ۱۲۹۲ھ میں بن کر تیار ہوئی۔ عمارت خوشنما اور وسیع تھی جس کے مصارف کی تعداد نواسی ہزار دو سو تینتیس روپے پونے دو آنے ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے: تعمیر میں بیاسی ہزار آٹھ سو چار روپے سوا تین آنے۔ کلس ہائے ملمع طلائی چھ ہزار چار سو اٹھارہ روپے ساڑھے چودہ آنے۔" [9]

شیخ محمد ایوب قادری صاحب نے اپنے ایک مضمون "عمارات رامپور" ۱۹۳۰ء میں امپیریل گزیٹیر جلد ۲۱ صفحہ ۱۸۳ کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ کلب علی خاں نے جامع مسجد کی تعمیر پر چھ لاکھ روپے صرف کیے تھے۔

منشی امیر اللہ تسلیم اس تعمیر جدید کی تعریف کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

سراپا دلہن کی طرح دل فریب
فلک دیکھ کر دل میں ہو ناشکیب
وہ تعمیر کی مسجد لاجواب
کہ عالم میں نکلے نہ جس کا جواب
یہ رفعت نہ دیکھی سنی خواب میں
کہ ہو چرخ ساجد ہیں محراب میں
فضا صحنِ مسجد کی ایسی کہ دل
تمنائے جنت سے ہو منفعل
اگر آنکھ پڑ جائے دیوار پر
صفا سی نظر آئے عکسِ نظر
وہ پائی ہے عظمت کہ میں کیا کہوں
بجا ہے اگر گھر خدا کا کہوں
ہزاروں مسلمان اہلِ نیاز
جماعت سے پڑھتے ہیں باہم نماز
مقرر ہیں روز و شب و صبح و شام
خطیب و مؤذن مکبّر امام ۱۱

مسجد کے آنگن میں داہنے اور بائیں جانب کمرے بنائے گئے جن میں ۱۰۰ طلبہ کے قریب

مدرسہ بھی آگیا تھا جو ۱۹۱۲ء تک رہا اور پھر گنج قدیم میں منتقل ہو گیا جہاں سے ۱۹۷۰ء میں یہ کلب گھر کی عمارت میں منتقل ہوا اور اب تک وہیں ہے۔

ایک صدر دروازہ تعمیر کیا گیا جس پر ایک گھنٹہ بورڈ نصب ہے کہ اندر اور باہر والے ایک ساتھ اس میں وقت دیکھ سکتے ہیں۔ یہ گھنٹہ ۱۸۶۶ء میں خصوصاً ہز ہائینس آف ویلز کے لئے بنا تھا اور اسے لندن کی جے بی بینسن کمپنی نے بنایا تھا۔ بزرگوں کی روایت کے بموجب کلب علی خاں صاحب نے لندن سے سیکنڈ ہینڈ منگوایا تھا اور یہاں لگوایا۔ اس گھنٹہ پر دو تختیاں نصب ہیں جن پر یہ تحریر ہے:

### پہلی تختی

Wath and Clock Maker by Special Appointment To H.R.H: The Prince Of Wales

### دوسری تختی

J. B. Benson Ludcate Hill and old Bondst LONDON.

اس گھنٹہ کی آواز میلوں دور تک سنی جاتی ہے۔ بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ نواب کلب علی خاں خود بھی نماز جمعہ کے لئے مسجد تشریف لاتے تھے۔

زمانے کے شب و روز گزرتے رہے بالآخر نواب حامد علی خاں کی نوابی کا زمانہ آیا انھیں تعمیرات کا بے حد شوق تھا۔ حسن اتفاق سے انھیں کرنل ہارسٹ نامی ایک فرانسیسی انجینئر مل گیا جس کے ذریعہ انھوں نے تعمیرات کا کام کرایا۔

عام طور پر اکثر سرکاری عمارات اندرون قلعہ رنگ محل، حامد منزل (رضا لائبریری) مچھلی بھون (گرلز ڈگری کالج) امام باڑہ و مسجد اور بیرون قلعہ صدر کچہری کوٹھی خسرو باغ (رضا ڈگری کالج) کوٹھی شاہ آباد، کوٹھی بے نظیر، کوٹھی خاص باغ، اسٹیٹ ہائی اسکول (حامد انٹر کالج) وغیرہ سب اسی عہد کی یادگار ہیں۔ ان تمام تعمیرات کے ساتھ نواب حامد علی خاں نے جامع مسجد کو بھی از سرِ نو تعمیر کرانے کا ارادہ کیا۔ اخبار دبدبۂ سکندری لکھتا ہے:

> "نواب خلد آشیاں (کلب علی خاں) کی تعمیر کردہ جامع مسجد جو اب مخدوش حالت میں تھی نواب حامد علی خاں نے اپنی علو ہمتی سے براہ رعایا نوازی منہدم کرا کے از سر نو نہایت خوشنما و شاندار جامع مسجد تعمیر کرنے کے لئے کئی لاکھ روپے کی منظوری صادر فرمائی اور انہدام کا کام شروع ہو گیا ..... اور طے پایا کہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل تک نماز جمعہ موتی مسجد میں ہو۔ چنانچہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۱۲ء کو پہلی مرتبہ نماز جمعہ موتی مسجد میں ہوئی۔ موتی مسجد جامع مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے اور کافی وسیع ہے اور مسجد کے اندر حوض بھی ہے۔"[۱۲]

جامع مسجد منہدمہ کے برابر قدیمی جامع مسجد تھی جسے نواب فیض اللہ خاں صاحب نے بنوایا تھا۔ نواب کلب علی خاں نے ۱۸۷۴ء میں تعمیر نو کے وقت اس کا الگ وجود برقرار رکھا تھا لیکن نواب حامد علی خاں نے اس موقع پر اس مسجد کا کچھ حصہ موجودہ جامع مسجد میں شامل کر دیا اور باقی حصہ کو الگ ایک

والد کی صحن میں چھوڑ دیا جس میں عورتیں اب بھی جمعہ کے روز نماز ادا کرتی ہیں۔
میرے نانا خطیب اعظم حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب
(م ۱۹۸۰ء) نے میرے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ قدیم جامع مسجد
کو جدید مسجد میں شامل کرنے سے جامع مسجد کا دالان تو ضرور وسیع ہو گیا لیکن صحن ٹیڑھا
ہو گیا جس سے اس کی خوبصورتی جاتی رہی۔ اگر حامد علی خاں پرانی مسجد کو اس
میں شامل نہ کراتے تو اس کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل ہوتی اور واقعہ بھی یہی
ہے کہ صحن کی ٹیڑھ مسجد کی خوبصورتی پر اثر انداز ہے۔
الغرض مسجد کی تعمیر کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔

"نواب حامد علی خاں نے چاہا کہ نماز جمعۃ الوداع اپنے قدیم مقام پر
ہو اور مسلمانوں کو عظیم الشان جماعت کے برکات حاصل ہوں لہٰذا
شب و روز تعمیر کا کام کرایا گیا اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ
مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۳ء کو نماز جمعۃ الوداع جدید تعمیر شدہ جامع مسجد
میں پورے اسلامی کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ ہزار ہا
مسلمانانِ رامپور نے ادا کی۔" [۱۳]

اس کے اختتام پر عبدالحکیم خاں مضطر نے یہ تاریخ لکھی:

شاہ اورنگ عدالت نورِ چشم دین و داد
ظلِ او بر فرقِ ما بادا الٰہی دائما
مسجدِ جامع وسیع و مرتفع تعمیر کرد
فی المثل گوئی کہ بر فرش ست عرشِ کبریا
از پئے تاریخ بمضطر ہاتفے القا نمود
از پئے ذکر و صلوٰۃ و منبر و بانگ و دعا [۱۴]

۱۳۳۲ھ

جامع مسجد کا محل وقوع بہت خوب ہے۔ چاروں طرف بازار ہے اور [illegible] میں واقع ہے۔ شمالی جانب میں کوچہ سلطان ہے نیچے بانا صراف ہے۔ جنوب مشرق میں بازار صفہ گاہ ہے۔

مسجد کافی وسیع ہے اندرونی حصہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں ساڑھے تیرہ سو افراد باسانی نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ اندرونی حصہ میں سنگ مرمر کا سفید اور کالا فرش شطرنج کی بساط کی طرح بچھا ہوا ہے جو ہر زمانہ میں ٹھنڈا رہتا ہے اور اس پر خوبصورت دریاں بچھی رہتی ہیں، مسجد کے درمیانی حصہ میں تین شاندار منبت کاری کی سنہری و روپہلی کام سے مزین محرابیں ہیں۔ بیچ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور دائیں بائیں پتھر کے تراشیدہ خوبصورت منبر ہیں۔ ابھی حال میں بیچ کی محراب میں رنگین ٹائلیں (TILES) لگ گئی ہیں جن سے محراب کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔

مسجد کے اندرونی حصہ میں داخل ہونے کے لئے محرابی شکل میں بہترین قسم کی منبت کاری سے مزین طویل و عریض سات شاندار دروازے ہیں، درمیانی دروازہ نسبتاً بڑا ہے۔ سب پر انتہائی شاندار تانبہ کے کواڑ جڑے ہوئے ہیں اندرون حصہ کے درمیان میں خوبصورت قسم کے چھ ستون ہیں پہلے ان پر پلاسٹر اور رنگ کیا ہوا تھا ابھی ۱۹۸۰ء میں ان پر مزیک (MOSAIC) کیا گیا ہے جس سے اس کی خوشنمائی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ان ستونوں کے درمیان سنہری کام کے بہت عمدہ بلوری جھاڑ زنجیروں کے ذریعہ چھت میں آویزاں ہیں ان پر سونے کا پانی کیا ہوا ہے اور بجلی کے بلب نصب ہیں۔ اس کے علاوہ خاص تعداد میں بجلی کے پنکھے بھی آویزاں ہیں جو گرمی کے زمانہ میں نمازیوں کو بہت آرام پہنچاتے ہیں۔

مسجد کا صحن بھی بہت وسیع ہے جس میں تقریباً ڈھائی ہزار افراد بیک

نمازادا کرسکتے ہیں اس کا فرش سرخ پتھر کا ہے۔ درمیان صحن میں دو خوبصورت کھمبے نصب ہیں جن پر روشنی کے لئے لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ پورے صحن میں درکھمبے بھی نصب ہیں جن پر تار کھنچے ہوئے ہیں ان پر دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے سائبان لگا دیئے جاتے ہیں۔ شرقی جانب صدر دروازہ مسجد کے مناسب اور شاندار طریقہ پر بنا ہوا ہے۔ اس پر گھنٹہ بھی نصب ہے۔ وضو کرنے کے لئے جنوب کی سمت میں کافی وسیع و عریض حوض بھی ہے جس کے بیچ میں دو فوارے نصب ہیں اس میں رنگین مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں اس کے علاوہ ستمبر ۱۹۸۰ء میں ایک ٹنکی بھی بن گئی ہے جس سے نمازیوں کو مزید آسانی ہو گئی ہے۔

صدر دروازے کے علاوہ دو چھوٹے دروازے اور بھی ہیں جو ہر وقت آمد و رفت کے لئے کھلے رہتے ہیں ان میں تحصیل کی جانب کے صدر دروازہ کی تعمیر جدید اگست ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ جنوب مشرقی جانب میں اذان دینے کے لئے ایک میذنہ (اذان گھر) ہے جہاں سے اذان لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ دی جاتی ہے، لاؤڈ سپیکر نظام یہاں ۱۹۶۷ء میں قائم ہوا۔

جامع مسجد کی ایک خاص تقریب جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو ہوتی ہے اس میں قرآن خوانی، نعت اور جلسۂ سیرت کے پروگرام مرتب ہوتے ہیں بعدہٗ لڈو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس جشن کو عام طور سے اہل رام پور لڈو علاقی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ جشن برسہا برس سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

اس مسجد کا انتظام و انصرام ہمیشہ سے ریاست کے زیر تحت رہا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں انضمام ریاست کے بعد اسٹیٹ وقف آفس اس کی دیکھ بھال کرتا رہا جس کے ذمہ دار نواب صاحب رام پور تھے۔ اب یکم اپریل ۱۹۷۶ء سے اس کا انتظام شہر کے

دولار کی ایک کمیٹی کر رہی ہے جس کا یوپی سنی سینٹرل وقف بورڈ سے الحاق ہے۔

اس کمیٹی کے قیام سے جامع مسجد کے انتظام و انصرام میں کافی بہتری آئی ہے۔ کمیٹی نے بہت سی جدید تعمیرات بھی کرائی ہیں جیسے اندر کے حصے میں دیواروں پر مکمل پلاستر، ستونوں پر موزیک، آنگن میں مکمل فرش، سائبان، نلکوں کی تعمیر اور جدید مارکیٹ کا قیام، جس سے کہ آمدنی میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے ـــــ خدا کرے یہ سلسلۂ انتظام اسی طرح ترقی کرتا رہے۔

آخر میں جامع مسجد کے اماموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

| | |
|---|---|
| ۱۔ قاری سید علی حسین نقشبندی محدث | آپ ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ وفات آپ کی ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ آپ فیض اللہ خانی جامع مسجد کے امام تھے۔ |
| ۲۔ مولوی حافظ عبدالشکور | آپ ۱۸۴۰ء/۱۲۵۶ھ سے ۱۸۶۵ء/۱۲۸۲ھ تک فیض اللہ خانی جامع مسجد کے امام رہے۔ |
| ۳۔ مولوی ثناء اللہ | جمادی الاول ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء تک زندہ تھے آپ فیض اللہ خانی جامع مسجد کے امام رہے۔ |
| ۴۔ مولوی سید منیر علی قادری | ۱۸۷۵ء/۱۲۹۲ھ میں تعمیر نو کے وقت آپ نے نواب علی خاں صاحب کی خواہش پر صرف ایک جمعہ پڑھایا۔ خطبہ کا ایک شعر یہ ہے ؎ |

اے دل مکن گناہ کہ تحقیق مردہ نیست
اعمال نیک کن کہ قیامت رسیدہ نیست

۵۔ مولوی سید [illegible] قادری

۱۸۷۵ء سے ۱۹۰۲ء تک آپ نے بحیثیت خطیب صرف جمعہ پڑھایا۔ ۸ جون ۱۹۰۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

۶۔ سید مرتضیٰ علی صاحب

آپ کا نام امام کی حیثیت سے ۱۸۹۱ء میں ملتا ہے[19] اور انتقال ۲۲ جولائی ۱۹۱۳ء کو ہوا[20] لہذا آپ کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۷۔ سید فتح علی صاحب

آپ کا ذکر بھی ۱۸۹۱ء میں ملتا ہے[21]۔ لہذا آپ بھی کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۸۔ حافظ سید محمد شاہ صاحب

آپ کا نام ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۱ء تک پیش امام کی حیثیت سے آتا رہا ہے[22]۔ لہذا آپ کلب علی خانی جامع مسجد کے امام رہے۔

۹۔ سید جمیل حسن قادری

آپ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۳ء تک نائب امام کی حیثیت سے رہے۔ ۱۹۲۳ء کے بعد آپ امام اول ہو گئے۔ ۹ فروری ۱۹۴۶ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

۱۰۔ حافظ حاجی [illegible] صاحب

آپ کا ذکر ۱۹۰۹ء میں آیا ہے۔ نومبر ۱۹۰۹ء میں آپ کا انتقال ہوا[23]۔

۱۱۔ سید ابرار حسن صاحب

آپ ۱۹۱۳ء میں امام اول مقرر ہوئے